آصف ہارون☆
قسط۲ [آخری]

بیعتِ ارشاد؛ شرع کی نظر میں

قائلین بیعت اِرشاد کے بعض دلائل کا جائزہ

قرآن وحدیث میں بیعت کے متعلق دو قسم کے دلائل موجود ہیں۔ بعض کا تعلق بیعت اِمارت یعنی اِمامت کبریٰ سے ہے اور بعض کا تعلق بیعتِ نبوت سے ہے۔ اہل تصوف نے اپنی کمال ذہانت اور چالاکی سے اُصولِ استدلال کو بالائے طاق رکھتے ہوئے بیعت اِمارت کے دلائل سے بیعت اِرشاد کا جواز فراہم کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے، لہٰذا ہم یہاں اُن دلائل کا سرسری سا جائزہ پیش کریں گے جن کا تعلق براہ راست بیعتِ امارت سے نہیں ہے، البتہ اہل تصوف نے تاویلاتِ فاسدہ اور تعبیرات باطلہ کا سہارا لے کر ان سے بیعت ارشاد کو ثابت کیا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ بیعت امارت کے دلائل سے بیعت ارشاد کا ثبوت پیش کرنا تو یہ دن کو رات اور رات کو دن کہنے کے مترادف ہے۔

دلیل اوّل

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب فرماتے ہیں:

''ایک دوسری بیعت بھی ہے میں اسے حق مانتا ہوں اور وہ ہے بیعت ارشاد، لیکن وہ بیعت سمع وطاعت نہیں ہے۔ اس بیعت ارشاد کے لئے قرآن وسنت میں بنیاد ہے۔ قرآن مجید میں سورہ الممتحنة میں بیعت النساء کا پوری تفصیل کے ساتھ ذکر ہے: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِذَا جَآءَكَ ٱلْمُؤْمِنَٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰٓ أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِٱللَّهِ شَيْـًٔا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَٰدَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَٰنٍ يَفْتَرِينَهُۥ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِى مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَٱسْتَغْفِرْ لَهُنَّ ٱللَّهَ إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ [الممتحنة:۱۲]

یہ بیعت النساء ہے اور حضرت عبادة بن صامت رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ مل جاتے ہیں کہ لیلة العقبة میں اس کی بیعت حضور ﷺ نے انصار مدینہ سے لی تھی۔ اس میں

☆ فاضل كلية الشريعة، جامعہ لاہور الاسلامیہ، لاہور

بالکل یہی الفاظ ہیں:

"عن أبی ادریس عائذ الله بن عبدالله أن عبادة بن صامت وكان يشهد بدراً وهو أحد النقباء ليلة العقبة أن رسول الله ﷺ قال وحوله عصابة من أصحابه بايعونی علی أن لاتشركوا بالله شيئا ولا تسرقوا ولا تزنوا ولاتقتلوا أولادكم ولا تأتوا ببهتان تفترونه بين أيديكم وأرجلكم ولا تعصوا فی معروف فمن وفٰی منكم فأمره علی الله ومن أصاب من ذلك شيئا فعوقب فی الدنيا فهو كفارة له ومن أصاب من ذلك شيئا ثم ستره الله فهو إلی الله ان شاء عفا عنه وإن شاء عاقبه فبايعناه علی ذلك"

لیلۃ العقبہ میں حضور ﷺ نے یہ بیعت لی ہے۔ یہ بیعت ارشاد ہے نیکیوں کے لئے، بھلائیوں کے لئے، برائیوں سے بچنے کے لئے، تزکیہ نفس کے لئے۔"

[صحیح البخاري، کتاب الایمان، جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی: ص۲۳۳،۲۳۴]

جائزہ

مذکورہ بالا آیت کریمہ اور حدیث میں جس بیعت کا تذکرہ ہے وہ بیعت اسلام ہے، جو بیعت نبوت کا حصہ ہے، جب کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے لوگوں سے دو قسم کی بیعتیں لی تھیں: ایک بیعت امارت اور دوسری بیعت نبوت۔ پہلی بیعت تو صرف مسلمانوں کا خلیفہ ہی عام مسلمانوں سے لے سکتا ہے، کیونکہ وہ آپ کی وفات کے بعد نظم اَمارت میں آپ ؐ کا نائب ہوتا ہے اور آپ ؐ کے نائب یعنی خلیفہ کے علاوہ کسی کے لئے بیعت امارت لینا جائز نہیں ہے، جب کہ دوسری بیعت جس کو صوفیہ نے بیعت توبہ یا ارشاد کا نام دے رکھا ہے صرف اسی کے لئے جائز ہے جو خود اللہ کا نبیؐ ہو یا آپ کی نبوت میں آپ کا نائب ہو، چونکہ آپ ؐ کی نبوت دائمی ہے، لہٰذا امارت کی طرح نبوت میں آپ ؐ کی نیابت آگے اُمت کو منتقل نہیں ہوئی۔ اسی لئے بیعتِ توبہ یا بیعتِ ارشاد لینا کسی بھی اُمتی کے لئے لینا جائز نہیں اور یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ نبی کریم ﷺ تو صاحبِ عصمت تھے، اس لئے وہ تو یہ بیعت لے سکتے تھے جب کہ کوئی صوفی یا پیرومرشد صاحبِ عصمت نہیں ہوتا لہٰذا وہ بیعت نہیں لے سکتا، کیونکہ اگر وہ بیعت لے سکتا ہے تو صاحب عصمت نہ ہونے کی وجہ سے اس پر کسی دوسرے مرشد

کو بیعت دینا بھی لازم آتا ہے، جس کو اہل تصوف قبول نہیں کرتے۔ اگر بیعت ارشاد لینا کسی امتی کے لئے جائز ہوتا تو صحابہ کرامؓ اس بات کے زیادہ حقدار تھے کہ وہ یہ بیعت لوگوں سے لیتے، کیونکہ وہ شرف وکرم اور اخلاص وتقویٰ کے لحاظ سے صوفیاء سے زیادہ اعلیٰ وارفع مقام پر فائز تھے۔ جب صحابہ کرامؓ جیسے نفوس قدسیہ نے اس چیز کا اہتمام نہیں کیا تو ہمیں کس نے یہ حق دیا ہے کہ ہم لوگوں سے بیعت ارشاد لینے کا اہتمام کرتے پھریں۔

دلیل ثانی

صاحب 'شریف التواریخ' بیعت ارشاد کے دلائل کو نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے:

﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا إِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [المائدۃ:٦]

''یعنی اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اس کے رستہ میں جہاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''

یہاں 'وسیلہ' سے مراد حسب تصریح شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ ذات مرشد ہے اور جو لوگ وسیلہ سے قرآن پاک یا حضرت رسول اکرم ﷺ کو مراد لیتے ہیں ان کے جواب میں حضرت شاہ صاحب موصوف قدس سرہ لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں مومنوں کو خطاب کرکے وسیلہ کی تلاش کا حکم فرمایا اور جب تک کوئی شخص قرآن مجید یا آنحضرت ﷺ پر ایمان نہ رکھتا ہو وہ مؤمن نہیں ہوسکتا۔ پس وسیلہ وہ ہے جو ان سے علاوہ ہو اور وہ ذات مرشد ہے۔'' [شریف التواریخ، ص۱۲۱]

جائزہ

ہم (دل کی گہرائیوں سے) شاہ صاحبؒ کی علمی ودینی خدمات کے معترف ہیں، لیکن وسیلہ کے بارے میں ان کی یہ تصریح ناقابل قبول ہے۔ اس لئے کہ یہاں 'وسیلہ' سے مراد تقرب الٰہی ہے اور وسیلہ کی تلاش کا مطلب یہ ہے کہ ایسے اعمال صالحہ اور خصال حسنہ اختیار کیے جائیں جن سے قرب الٰہی کا حصول ممکن ہو، چنانچہ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"إن الوسيله التى هى القربة تصدق على التقوى وعلى غيرها من

خصال الخير التی یتقرب العباد بها إلی ربهم" [فتح القدير:۲/۳۰۵]

''وسیلہ جو قربت کے معنیٰ میں ہے تقویٰ اور دیگر خصال خیر پر صادق آتا ہے کہ جن کے ذریعے سے بندے اپنے رب کا تقرب حاصل کرتے ہیں۔''

لہٰذا اللہ تعالیٰ کی کامل اِطاعت و اتباع اور اس کے رسول ؐ کی کامل اطاعت و اتباع سے ہی تقرب الٰہی ممکن الحصول ہوتا ہے، کیونکہ ازروئے قرآن نبی کریم ﷺ کی اطاعت بھی دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے، چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ؒ فرماتے ہیں: "وابتغوا إليه الوسيله" اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کے ذریعہ سے اس کا تقرب حاصل کرو نیز اللہ کے رسول ؐ کی پیروی و اتباع کو وسیلہ بناؤ، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع خود اللہ کی اتباع ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: ﴿وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ﴾ [الوسیلة مترجم،ص۸۹]

لہٰذا اللہ و رسول کے اَحکامات کی بجاآوری اور اللہ و رسول کے منہیات عنہ سے اجتناب ہی درحقیقت قرب الٰہی کا واحد ذریعہ ہے، جس کو وسیلہ کہتے ہیں نہ کہ مرشدین کی ذوات مراد ہیں۔ یہی موقف امام طبری ؒ نے سیدنا عبداللہ ابن عباس ؓ سے نقل کیا ہے۔

[تفسير الطبري:۱/۲۹۱]

علاوہ ازیں حضرت وائل، حضرت حسن اور حضرت ابن زید، حضرت مجاہد اور بہت سے کبار مفسرین کا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔

امام ابن کثیر ؒ فرماتے ہیں:

''مذکورہ بالا ائمہ نے وسیلے کے جو معنیٰ (قربت وتقرب) کئے ہیں، اس پر سب مفسرین کا اجماع ہے۔ اس میں کسی ایک کو بھی اختلاف نہیں، لہٰذا وسیلہ کی تلاش کا معنیٰ تقرب الٰہی کو تلاش کرنا ہے۔'' [تفسیر ابن کثیر، مترجم:۲/۱۱۴]

دلیل ثالث

صاحب شریف التواریخ بیعتِ ارشاد کی دلیل نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''﴿فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ [الانبیاء:۱۴] ''یعنی اگر تم کو کسی بات کا علم نہ ہو تو اہل ذکر سے پوچھ لیا کرو۔'' یہاں اہل ذکر سے مراد صوفیا کرام رحمہم اللہ ہیں جن

کا کوئی دم ذکر اللہ سے خالی نہیں جاتا۔'' [شریف التواریخ، ص۱۲۴]

جائزہ

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں 'اہل ذکر' سے مراد اہل کتاب میں سے اہل علم ہیں، جیسا کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" أی اسألوا أهل العلم من الأمم كاليهود والنصارىٰ وسائر الطوائف"

[تفسیر القرآن العظیم :۲۳۱/۳]

''یعنی اہل کتاب و دیگر طوائف کی مانند جو امم ہیں ان میں سے اہل علم سے پوچھ لو۔''

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"يريد أهل التوراة والإنجيل الذين آمنوا بالنبي قاله سفيان: وسمّاهم أهل الذكر لأنهم يذكرون خير الأنبياء مما لم تعرفه العرب وكان كفار قريش يراجعون أهل الكتاب فی أمر محمد ﷺ " [تفسیر القرطبي:۲۷۲/۱۱]

''اہل ذکر'' سے مراد اہل کتاب ہیں اور ان کو اہل ذکر سے اس لئے موسوم کیا جاتا ہے کہ وہ اخبار انبیاء کا تذکرہ کرتے تھے، جن سے عرب حضرات ناواقف تھے اور قریشی کفار کی یہ عادت تھی کہ وہ محمد ﷺ کے معاملہ میں اہل کتاب سے مراجعت کیا کرتے تھے۔''

مولانا امین حسن اصلاحیؒ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

''یہاں اہل کتاب کو اہل کتاب کی بجائے اہل ذکر سے تعبیر کرنے میں یہ بلاغت ہے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی مخالفت میں اندھے ہوجانے کی بات تو اور ہے، لیکن ان میں سے جن کو اپنے نبیوں اور رسولوں کی یاد ہوگی وہ اس بدیہی حقیقت سے انکار کی جرأت نہیں کر سکتے۔''

[تدبر قرآن: ۱۲۶/۵]

لہٰذا مذکورہ بالا تصریحات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ آیت کریمہ میں اہل ذکر سے مراد اہل کتاب میں سے وہ اہل علم تھے جو انبیاء و رسل کے بارے میں کافی معلومات رکھتے تھے اور گاہے بگاہے اُن کا تذکرہ بھی کرتے تھے۔ اس لئے قریش مکہ کو مخاطب کر کے کہا گیا کہ اگر تم کو نبی ﷺ کے بشر ہونے پر اعتراض ہے تو اہل کتاب کے اہل علم سے دریافت کرو، لہٰذا 'اہل ذکر' سے صوفیاء کو تعبیر کرنا علم تفسیر سے عدم واقفیت کا ثبوت ہے۔ اگر لمحہ بھر کے لئے یہ مان بھی لیا

جائے کہ اہل ذکر سے مراد صوفیاء ہیں تو پھر بہت سارے سوالات جنم لیتے ہیں، مثلاً کیا صحابہ کرامؓ اہل ذکر نہیں تھے؟ کیا ان کی صبح وشام، ذکر الٰہی میں نہیں گزرتی تھی؟

مذکورہ آیت میں اگر اہل ذکر سے صوفیاء مراد لئے جاسکتے ہیں تو صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ محدثین اور اہل علم وشریعت مراد لینے میں کیا حرج ہے؟ ذکر الٰہی کے فلسفہ کو ان نفوس قدسیہ سے بڑھ کر کون سمجھ سکتا ہے؟

دلیل رابع

صاحب 'شریف التواریخ' نقل کرتا ہے:

﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ﴾ [التوبۃ:۱۱۹]

''یعنی اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہا کرو۔ صادقین سے مراد صوفیاء کرام رحمہم اللہ ہیں، جن کی معیت وصحبت میں مؤمنوں کو رہنے کا حکم ہے۔''

[شریف التواریخ: ص۱۲۴]

جائزہ

اگر ہم مذکورہ بالا آیت کریمہ کے شان نزول اور مقام ورود پر نگاہ تحقیق دوڑائیں تو اس حقیقت کا انکشاف ہوگا کہ یہ آیت کریمہ ان تین صحابہ (کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہم) کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے، لیکن نہایت مخلص تھے۔ جب انہیں اپنی غلطی اور تساہل کا احساس ہوا تو فوراً خدمت رسول ﷺ میں حاضر ہوکر بغیر کسی حیلے اور بہانے کے سچ سچ بول دیا، چنانچہ ان کی توبہ کو بارگاہ ایزدی میں شرف قبولیت سے نوازا گیا۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ سچے لوگوں کی صحبت اختیار کرو۔ اس لئے کہ صحابہؓ سب کے سب صفت 'صدق' سے متصف تھے، لہٰذا 'صادقین' سے مراد صحابہ کرام اور اہل ایمان ہیں، کیونکہ ایک پکا سچا مؤمن بھی صفت 'صدق' سے متصف ہوتا ہے، جیسا کہ ارشاد نبوی کا مفہوم ہے کہ ''مؤمن سے تمام کوتاہیوں کا صدور ممکن ہے، لیکن جھوٹ کا صدور ممکن نہیں، یعنی مؤمن جھوٹا نہیں ہوسکتا۔'' [موطأ، کتاب الکلام، رقم ۱۹]

لہٰذا 'صادقین' کو صرف صوفیا سے تعبیر کرکے تمام صحابہ کو، تابعین، تبع تابعین، ائمہ فقہاء و

محدثین اور اہلِ علم و شریعت کو نہ صرف صفت صدق سے خارج کرنے کے مترادف ہے بلکہ قرآن و حدیث کی واضح نصوص کی علم و معرفت اور فہم و تفہیم سے دوری کا نتیجہ ہے۔ قرآن و سنت کی واضح تفصیل سے علم و آگہی رکھنے والے کسی بھی معتبر مفسر نے 'صادقین' کو صوفیا سے تعبیر نہیں کیا۔ لہٰذا 'صادقین' کو صوفیا سے ہی تعبیر کرنا موصوف کی کج فکری، ہٹ دھرمی اور تجاہلِ عارفانہ ہے۔

دلیل خامس

صاحب مناقب رومی لکھتا ہے:

''حدیث میں ہے: «من مات ولیس فی عنقه بیعة مات میتة الجاهلیة»

جس نے شیخ کا نشان گلے میں نہ پہنا اور مر گیا وہ کفر کی موت مرا۔'' [مناقب رومی، ص ۱۸]

جائزہ

مذکورہ حدیث کے حوالے سے تین نکات قابل نظر ہیں:

① موصوف نے مذکورہ حدیث کا ترجمہ غلط کیا ہے، جس سے موصوف کی علمی کمی عیاں ہو رہی ہے۔ اس کا سادہ ترجمہ اس طرح ہے کہ

''جو شخص اس حالت میں مرا کہ اس نے خلیفۃ المسلمین یا امیر المومنین کی موجودگی میں اس کی بیعت نہ کی تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

② مذکورہ حدیث میں جس بیعت کا تذکرہ ہوا ہے وہ بیعت ارشاد نہیں بلکہ بیعت امارت ہے جو کہ خلیفۃ المسلمین یا امیر المومنین کے ہاتھ پر ہوتی ہے، چنانچہ بیعت امارت کو بیعت ارشاد پر محمول کرنا دن کو رات قرار دینے کے مترادف ہے۔

③ شریعت کے تمام احکامات استطاعت سے مشروط ہیں۔ ایک شخص حج کی استطاعت رکھتا ہو لیکن بیت اللہ تک پہنچنے کے تمام راستے مسدود ہوں، چاہے جنگ و جدال کی وجہ سے یا کسی دوسرے سبب کی بنا پر، تو ایسے شخص پر حج کرنا واجب نہ ہوگا، جب تک راستے نہ کھل جائیں۔ چنانچہ جیسی شدید وعید حج پر نہ جانے والوں کے لئے ہے، ایسی ہی وعیدِ شدید زکوٰۃ نہ ادا کرنے والوں کے لئے ہے لیکن جس شخص کے پاس اتنا مال ہی نہ ہو جو نصابِ زکوٰۃ

تک پہنچتا تو وہ زکوٰۃ دینے سے مستثنیٰ ہے۔ وضو میں ہاتھ پیر دھونے لازم ہیں، لیکن اگر کسی کا ہاتھ یا پیر کٹا ہوا ہوتو وہ اسے کیسے دھوئے گا؟ بعینہٖ اگر ایسا خلیفہ موجود ہو جو صاحب اقتدار ہو اور حدود نافذ کرسکتا ہو، صلح و جنگ کے جھنڈے بلند کرسکتا ہو اور قرآن وسنت کو نافذ العمل کرسکتا ہوتو جہاں جہاں اس کا اقتدار ہے وہاں وہاں تمام لوگوں پر اس کی بیعت لازم ہے۔ بیعت نہیں کریں گے تو بموجب حدیث مذکور جاہلیت کی موت مریں گے، لیکن اگر ایسا خلیفہ سرے سے موجود ہی نہ ہو تو پھر بیعت کا عمل نہ ہونے کی بنا پر حکم بھی ساقط ہو جائے گا۔

دلیل سادس

صاحب 'مناقب رومی' لکھتا ہے: حدیث میں ہے: "من لا شیخ له وشیخه الشیطان"

[صحیح مسلم وسنن الترمذی، مناقب رومی: ص۱۸]

''جس کا کوئی رہبر نہ ہو اس کا پیر شیطان بن جاتا ہے''

جائزہ

مذکورہ بالا قول اہل تصوف کا خودساختہ اور وضع کردہ قول ہے۔ اس خودساختہ قول کا حدیث ہونا تو دور کی بات ہے کتب حدیث کے ذخیرہ میں اس کا وجود تک بعید از امکان ہے۔ موصوف نے مسلم و ترمذی کا حوالہ دے کر نہ صرف امام مسلمؒ اور امام ترمذیؒ پر بہتان بازی کی ہے، بلکہ اس کو نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کرکے آپؐ کی ذات اقدس پر کذب وافتراء باندھنے کی ناکام جسارت کی ہے، حالانکہ رسول کریم ﷺ کا فرمان اقدس ہے:

«مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ» [صحیح البخاري:۱۲۰۹]

''جس نے جان بوجھ کر مجھ پر کذب بیانی کی تو اس کی جائے قرار آتش جہنم ہے۔''

یہاں یہ بات بھی قابل تفکر و تدبر ہے کہ اگر مرید کا اپنے آپ کو پیرومرشد کے پلے باندھنے اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا مقصود صرف یہ ہے کہ ارشاد وتوبہ، تزکیہ وتقویٰ اور اصلاح اعمال کا حصول ممکن ہو سکے تو یہ سب امور تو بغیر بیعت کے بھی ممکن الحصول ہو سکتے ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی اس مفہوم کو ذیل کی سطور میں سمجھایا ہے:

''اگر لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور بر وتقوی پر تعاون کرنے پر جمع ہوں تو بھی ہر شخص دوسرے شخص کے ساتھ ہر بات میں معاون نہ ہوگا، بلکہ صرف اس حد تک جہاں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہوگی، اگر اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی ہو رہی ہو تو وہ ساتھ نہ دے گا، یہ لوگ سچائی، انصاف، احسان، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، مظلومین کی مدد اور ہر اس کام میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں گے جو اللہ اور اس کے رسول کو پسند ہیں۔ وہ نہ ظلم کرنے پر، نہ کسی جاہلی عصبیت پر، نہ ہی خواہشات کی پیروی پر تعاون کریں گے، نہ ہی فرقہ بازی اور اختلاف پر، اور نہ ہی اپنی کمر کے گرد پٹی باندھ کر کسی شخص کی ہر بات ماننے پر تعاون کریں گے اور نہ ہی کسی ایسے حلف نامے میں شریک ہوں گے جو اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے خلاف ہو۔''

ان میں سے کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ اپنے یا کسی دوسرے کے استاد کی خاطر اپنی کمر کے گرد پٹی باندھے اور جیسے سوال میں پوچھا گیا ہے، کسی ایک معین شخص کے لئے پٹی باندھنا یا اس کی طرف نسبت کرنا، جاہلیت کی بدعات میں سے ہے اور ان حلف ناموں کی مانند ہے جو اہل جاہلیت کیا کرتے تھے یا قیس و یمن کی فرقہ بازیوں کی طرح ہے۔ اگر اس کے باندھنے سے مراد بر وتقویٰ پر تعاون ہے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بغیر کسی ایسے بندھن کے اس کا حکم دیا ہے اور اگر اس سے مراد گناہ اور سرکشی کے کاموں میں تعاون ہے، تو وہ ویسے ہی حرام ہے، یعنی اگر اس طرح خیر کا کام کرنا مقصود ہے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات میں اس کام کی پوری رہنمائی ملتی ہے۔ استاد کے ساتھ اس نسبت کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر برائی مقصود ہے تو اللہ اور اس کے رسولؐ اسے حرام قرار دے چکے ہیں۔

کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ کسی دوسرے شخص سے اپنی ہر بات منوانے پر عہد لے یا اس بات پر کہ جس کا میں دوست ہوں، اس سے دوستی رکھو اور جس کا میں دشمن ہوں اس سے دشمنی رکھو، بلکہ ایسا کرنے والا چنگیز خان اور اس کے حواریوں جیسا ہے، جو ہر اس شخص کو اپنا دوست اور حمایتی سمجھتے ہیں جو ان کی ہاں میں ہاں ملاتا ہے اور ہر اس شخص کو اپنا بدترین دشمن سمجھتے ہیں جو ان کی مخالفت کرتا ہے۔ انہیں اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کیا ہوا عہد یاد رکھنا چاہئے کہ اطاعت صرف اللہ اور اس کے رسول کی ہے۔ اسے وہی کام کرنا ہے جس کا حکم اللہ اور اس

کے رسول نے دیا ہے، ہر اس چیز کو حرام ٹھہراتا ہے جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ وہ اپنے اساتذہ و مشائخ کے حقوق کا ضرور خیال رکھے لیکن اتنا جتنا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے خیال رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اگر کسی کا استاد مظلوم ہو تو اس کی مدد کرے۔ اگر ظلم کرے تو اس کی ظلم پر اعانت نہ کرے بلکہ اس کو ظلم کرنے سے روکے۔ جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اپنے بھائی کی مدد کرو، چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم! آپ سے کہا گیا: مظلوم ہو تو ہم اس کی مدد کرتے ہیں، لیکن ظالم ہو تو اس کی مدد کیسے...؟ آپ نے ارشاد فرمایا: "تم اسے ظلم کرنے سے روکو، یہی اس کی مدد ہے۔"

[فتاوی ابن تیمیة: ۱۶/۸ تا ۱۸ بحوالہ ماہنامہ 'محدث' ۲۰۰۷ء ستمبر، ص ۵۱، ۵۲]

اگر بالفرض ایک لمحہ کے لئے یہ مان بھی لیا جائے کہ لوگوں کی ارشاد و اصلاح اور تزکیہ و تقویٰ کے لئے یہ طریقہ بیعت کارگر ہو سکتا ہے تب بھی حسب ذیل باتوں کی بنا پر اس کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔

◉ ﴿وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ [الانعام: ۱۵۳]

"اور یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے، سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی۔ اس کا تم کو اللہ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیزگاری اختیار کرو۔"

◉ ﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ [آل عمران: ۱۰۵]

"تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے پاس روشن دلائل آ جانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا، ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔"

◉ امت مسلمہ میں ایک طرف تو مذہبی فرقہ بندی شروع ہو گئی تو دوسری طرف تصوف و طریقت کے نام پر بے شمار سلاسل وجود میں آ گئے۔ پھر ہر سلسلہ ایک مستقل فرقہ اور جماعت بن گیا، جبکہ نبی کریم ﷺ نے فرقہ ناجیہ کی علامت یہ بتلائی ہے:

«مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي» [سنن الترمذي: ۲۵۶۵]

"جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں"۔

لیکن اس کے بالکل برعکس طریقت میں صاحبِ سلسلہ اور اس کی جماعت، جوکہ بیعت کی بنیاد پر کھڑی ہوتی ہے، اپنے طرزِ عمل سے یہ باور کراتی ہے کہ "ما أنا علیه وسلسلتي أو حزبي" یعنی جس پر میں ہوں اور میرا طریقہ، میری جماعت ہے' چنانچہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جو اس سلسلہ یا جماعت کو چھوڑے گا وہ اسلام سے خارج متصور کیا جائے گا۔

◉ اگر اُمت ایک بڑے جہاز کی مانند ہے تو یہ مختلف فرقے اور سلسلے چھوٹی چھوٹی کشتیوں کی مانند ہیں، شدید طوفان کی صورت میں جہاز تو بچ جاتا ہے لیکن چھوٹی کشتیاں غرق ہوجاتی ہیں۔ تعجب ہے ان لوگوں پر، خصوصاً اہل تصوف وطریقت پر کہ وہ کتاب وسنت کے مضبوط جہاز کو چھوڑ کر ان چھوٹی کشتیوں پر کیوں سوار ہوتے ہیں؟ جبکہ صورتِ حال اس قدر مخدوش ہے کہ سمندر میں ہر طرف تلاطم ہی تلاطم ہے اور چھوٹی کشتیاں کسی وقت بھی ڈوب سکتی ہیں۔

بیعت اِرشاد کے عواقب ومضمرات

بیعت ارشاد کی حقیقت اور شرعی حیثیت تو مذکورہ بالاتصریحات سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوچکی ہے لیکن ہم یہاں اس بیعت کے چند ایک عواقب ومضمرات نقل کرنا چاہیں گے جن سے مذکورہ بیعت کے مفاسد ومضار مزید نکھر کر سامنے آجائیں گے:

① کفر وشرک کی آبیاری

مذکورہ بیعت کفر وشرک کی آلائشوں میں مبتلا کرنے کا سبب بنتی ہے، جیسا کہ حسب ذیل اقتباسات سے واضح ہورہا ہے:

مناقب رومی میں مرقوم ہے کہ مولانا رومی 'مثنوی' میں فرماتے ہیں:

چوں کہ ذاتِ پیر را کردی قبول

ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول

"جب تم نے پیر کی ذات کو اپنا رہبر قبول کرلیا (یعنی بیعت کرلی) تو اس کی ذات میں خدا اور رسول اللہ ﷺ بھی شامل ہیں۔ کامل اعتقاد یہ ہے کہ پیر کامل کے ملنے کے بعد اپنے شیخ کے سوا مرید کی کوئی اور مراد باقی نہ رہے"

امام جلوی فرماتے ہیں کہ مولانا رومؒ نے 'مثنوی' میں پیر اور مرید کے بارے میں ایک آخری فتویٰ دیا ہے:

ہرکہ پیر و ذات حق را یک نہ دید — نے ر پدد نے مرید و نے مرید
دو مدان دو مبین و دو فخوان — خواجہ ر ا در خواجہ خود محوداں
کہ خدا بنی نہ حق ایں خواجہ را — گم کنی ہم متین وہم دیباچہ را
پیرو حق را از حول ہرکہہ دو دید — او مرید است درحقیقت نے مرید

''جس نے پیر اور رب کو ایک نہ سمجھا وہ ہرگز مرید نہیں ہے، وہ ہرگز مرید نہیں ہے، وہ ہرگز مرید نہیں ہے، دومت سمجھ، دومت دیکھ اور دومت پکار، خواجہ کو اپنے خواجے میں مٹا ہوا سمجھ۔ اگر تو خواجہ کو خدا سے الگ دیکھے گا تو کتاب زندگی کا اصل اور مقدمہ گنوا بیٹھے گا یعنی جو مرید اپنے بھینگا پن سے خدا اور پیر کو دو دیکھے وہ مرید نہیں ہے بلکہ حقیقتاً مرید، مردود ہے۔''

[مناقب رومی: ص۴۵،۴۶]

مناقب رومی میں دوسری جگہ مرقوم ہے:

''عین الفقر میں حضرت سلطان باہو رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مرشد کامل کے بغیر کوئی شخص اس راہ کو طے نہیں کرسکتا، کیونکہ وہ بمنزلہ خدا کے ہوتا ہے اور معرفت کے سمندر میں جہاز رانی کے علم سے اچھی طرح واقف اور خبردار ہوتا ہے۔ دیکھو اگر معلم نہ ہو تو جہاز غرق ہو جائے گا۔''

[مناقب رومی: ص۲۰]

اَرباب تصوف کے مذکورہ بالا اقتباسات سے اہل دانش و بنیش، کفر وشرک کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں جو کہ پیری مریدی کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ مرید جب پیر کے ہاتھ پر، اس کو بمنزلہ خدا سمجھ کر بیعت کرتا ہے تو گویا وہ شرک فی الالوہیت کا ارتکاب کر رہا ہے اور جو مرید، پیر اور حق تعالیٰ کے درمیان فرق کو ملحوظ خاطر نہیں رکھے گا تو وہ بھی 'عقیدہ وحدۃ الوجود' کی وجہ سے کفر صریح کا مرتکب ٹھہرے گا۔

② حق رسالت اور حق نبوت پر ڈاکہ زنی

اس بیعت نے پیر و مرشد اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان تفریق کو مٹا کر رکھ دیا ہے۔ اس کا اندازہ آپ مندرجہ ذیل اقتباسات سے بخوبی لگا سکتے ہیں۔ مناقب رومی میں مرقوم ہے کہ

مولانا رومی کا فرمان ہے:

دست پیراز غائبان کوتاہ نیس

دست اوجز قبضہ اللہ نیست

"پیر کا ہاتھ غائبین تک پہنچتا ہے۔ اس کے ہاتھ پر بیعت ہونا گویا حق تعالیٰ ہی سے بالواسطہ عہد کرنا ہے۔" [مناقب رومی:۲۱]

اللہ تعالیٰ سے بیعت نبی کریم ﷺ کے توسط سے ہوتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نبیؐ کے ہاتھ پر بیعت کو اپنے ہاتھ پر بیعت متصور کی ہے، جبکہ یہ مقام اَرباب تصوف نے پیر و مرشد کو عطا کر دیا ہے۔

دوسری جگہ مرقوم ہے:

"اگر خوش بختی سے شیخ کامل مل گیا تو اس کے ہاتھ کو خدا کا ہاتھ سمجھے اور بیعت کرکے کمر ہمت باندھے۔" [مناقب رومی:۱۸]

اَربابِ تصوف نے نبوت کا درجہ پیر و مرشد کو عطا کرکے نہ صرف شرک فی الرسالت کا ارتکاب کیا ہے، بلکہ رسالت و نبوت کے حق پر بھی نقب زنی کی ہے۔ اس لئے کہ بیعتِ ارشاد صرف اور صرف نبی کریم ﷺ کا حق ہے۔

ایک اور اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔ خواجہ فرید الدین گنج شکر فرماتے ہیں:

"کیونکہ پیر کے کام میں مستعد ہونا عین دین کے کاموں میں مستعد ہونا ہے، پھر فرمانے لگے کہ ایک مرتبہ میں شیخ معین الدین کی خدمت میں حاضر تھا اور اہل صفہ بھی موجود تھے۔ اولیاء اللہ کا ذکر ہو رہا تھا کہ اتنے میں ایک شخص آیا اور بیعت کے لئے پابوسی کی۔ آپ نے اس کو بٹھا لیا۔ اس نے عرض کی میں مرید ہونے آیا ہوں۔ فرمایا: جو کچھ ہم کہیں گے کرے گا، اگر یہ شرط منظور ہے تو بیشک میں مرید کرلوں گا۔ اس نے کہا جو کچھ آپ کہیں گے وہی کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ تو اس طرح کلمہ پڑھتا ہے: "لاالہ اِلا اللہ محمد رسول اللہ" ایک بار اس طرح پڑھ: "لاالہ اِلا اللہ چشتی رسول اللہ" چونکہ راسخ العقیدہ تھا، اس نے فوراً پڑھ لیا۔ خواجہ نے بیعت لی اور بہت کچھ خلعت و نعمت عطا کی اور فرمایا میں نے فقط تیرا امتحان لیا تھا کہ تجھ کو مجھ سے کس قدر عقیدت ہے، ورنہ میرا مقصود نہ تھا کہ تجھ سے اس طرح کلمہ پڑھواؤں۔"

[فوائد السالکین ملفوظات قطب الدین بختیار کاکی، مرتبہ: فرید الدین گنج شکر، ترجمہ: غلام احمد بریان، ص۱۲۶ بحوالہ شریعت وطریقت ص۱۵۴]

قارئین کرام! دیکھا آپ نے کس طرح منصب رسالت پر حملہ کیا گیا ہے اور کیسے ذات نبویؐ کے ساتھ مذاق کیا گیا ہے۔ ان اہل بدعت کو اگر امتحان اور مذاق کی ضرورت پڑتی ہے تو ذات نبویہؐ کے ساتھ ہی پڑتی ہے۔ والعیاذ باللّٰہ

③ نت نئی بدعات ورسومات کی ترویج

مذکورہ بیعت نہ صرف خود بدعت ہے، بلکہ بہت ساری دوسری بدعات کو بھی جنم دیتی ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''بیعت کے سلسلہ میں صوفیاء نے ایک اور شاندار کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ اویس قرنیؒ نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا، نہ بیعت کی، تو ان کی ارواح کی آپس میں بیعت کرادی اور اسے نسبتِ اویسیہ کا نام دے دیا اور راستہ کی اس رکاوٹ کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ وہ جب دیکھتے ہیں کہ فلاں شیخ کی فلاں شیخ سے ملاقات ہی ثابت نہیں، یا پیر کی وفات کے بہت عرصہ بعد مرید کی پیدائش ہو تو وہ یہی نسبت اویسیہ قائم کر کے اپنا سلسلہ جاری فرما کر کام چلا لیتے ہیں۔'' [شریعت وطریقت، ص۴۴۳]

④ تقلید شخصی اور حق سے دوری

مذکورہ بیعت تقلیدِ شخصی اور حق سے دوری کا موجب بنتی ہے۔ حسب ذیل اقتباسات سے اس کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

فاتح قادیانیت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہاں پر ایک واقعہ بلا کم وکاست ناظرین کے سامنے رکھتا ہوں۔ حافظ عزیز الدین صاحب مراد آبادی (جو میرے گمان میں مردِ صالح ہیں) مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مرید تھے۔ بعد از بیعت آپ مسئلہ تقلید کی تحقیق کر کے مقلد سے غیر مقلد ہو گئے، مگر مولانا مرحوم کے حق میں انہوں نے کسی قسم کی بدگمانی نہیں کی۔ اس پر بھی مولانا کا ایک پوسٹ کارڈ، جو میں نے بچشم خود دیکھا، موصوف کو پہنچا جس کا مضمون یہ تھا کہ ''غیر مقلد ہو جانے کی وجہ سے میں تم کو اپنے حلقہ بیعت سے خارج کرتا ہوں'' اب میرا تمہارا پیری مریدی کا تعلق نہیں رہا۔ أو کما

قال۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس کا جواب ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔''

[فتاویٰ ثنائیہ ۱/۳۵۶) بحوالہ ماہنامہ 'محدث' ستمبر ۲۰۰۷ء ص ۴۵]

مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:

''غرض، اگر شیخ کی تعلیم پر عمل نہ ہو اور اس کے کہنے پر اطمینان نہ ہو اگر ساری عمر بھی چکی پیسے گا تو ذرا برابر نفع نہ ہوگا۔ اس طریق میں انقیاد محض کی سخت ضرورت ہے۔ ہاں یہ جائز ہے کہ اس کو شیخ تسلیم نہ کرے لیکن تسلیم کرنے کے بعد پھر چوں چراں کرنا، اپنی رائے کو دخل دینا، دلیل محرومی کی ہے۔ یہ تعلق بڑا نازک ہے، اس کے آداب ہی جدا ہیں۔''

[افاضات حصہ چہارم، ص ۳۹۲ بحوالہ تجدید تصوف وسلوک، ص ۹۹]

مذکورہ بالا اقتباسات سے اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ بیعت ارشاد اور تقلید شخص کی حدیں آپس میں بہت زیادہ ملتی ہیں اور یہ بھی ناقابل انکار حقیقت ہے کہ تقلید شخصی بھی شرک فی الرسالت کا موجب بنتی ہے۔

⑤ **اندھی عقیدت اور محرمات کا ارتکاب**

مذکورہ بیعت پیر اور مرید کے مابین اندھی عقیدت اور محرمات کے ارتکاب کو جنم دیتی ہے۔ حتیٰ کہ پیران باصفا کسی ایسی بات کا حکم دیں جو شریعت کے سراسر خلاف نظر آتی ہو تب بھی مرید پر لازم ہے کہ وہ بلاچوں و چراں اس کو قبول کرے تب ہی وہ منازل سلوک طے کر سکتا ہے حافظ سعدی شیرازی نے اس فکر ونظر کو درج ذیل شعر میں قلم بند کیا ہے:

بہ مے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود زراہ ورسم منزلھا

''اگر تجھے بزرگ پیر اپنے مصلّی کو شراب سے رنگین کرنے کا حکم دے تو تو ضرور ایسا کر کہ سالک منازل سلوک کے آداب و مراسم اور اسرار و رموز سے ناواقف نہیں ہوتے۔''

[مناقب رومی، ص ۲۷]

چنانچہ حکیم فیض عالم صدیقی لکھتے ہیں:

''میں آپ کے سامنے ایک واقعہ حلفیہ پیش کرتا ہوں۔ چند روز ہوئے میرے پاس ایک عزیز رشتہ دار آئے جو شدت کشتۂ پیری ہیں۔ میں نے باتوں باتوں میں کہا کہ ''فلاں پیر صاحب

کے متعلق اگر چار عاقل بالغ گواہ پیش کردوں، جنہوں نے انہیں زنا کا ارتکاب کرتے دیکھا ہو تو پھر اُن کے متعلق کیا کہو گے؟" کہنے لگے: "یہ بھی کوئی فقیری کا راز ہوگا، جو ہماری سمجھ میں نہ آتا ہوگا۔ پھر ایک پیر صاحب کی شراب خوری اور بھنگ نوشی کا ذکر کیا، تو کہنے لگے، بھائی جان! یہ باتیں ہماری سمجھ سے باہر ہیں وہ بہت بڑے ولی ہیں۔" [اختلافات اُمت کا المیہ،ص۹۴]۔

مذکورہ بالا عواقب و مضمرات سے بیعت ارشاد یا پیری مریدی کی قلعی کھل جاتی ہے اور اس حقیقت کی وضاحت ہوتی ہے کہ تعلیمات اسلامیہ میں اہل تصوف کے مذکورہ تصورات و نظریات کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

خلاصۂ کلام

خلاصہ یہ ہے کہ بیعت درحقیقت اللہ اور اس کے بندوں کے مابین ایک سودا ہوتا ہے جو نبی کریم ﷺ کے توسط سے ہوتی ہے اور نبی کریم ﷺ نے اپنی اُمت سے جتنی بھی بیعتیں لیں وہ دو اقسام میں منقسم ہوتی ہے: ایک بیعت امارت اور دوسری بیعت نبوت۔ آپ کی وفات کے بعد بیعت امارت تو آپ کا خلیفہ لے سکتا ہے، لیکن بیعت نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا ہے، لہٰذا اب از روئے قرآن و سنت کسی اُمتی کے لئے بیعت اِرشاد کا جواز موجود نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ صرف نبی کریم ﷺ کا خاصہ تھا۔ صحابہ کرامؓ نے بھی اپنے شاگردوں سے رشد وہدایت کی بیعت نہیں لی، کیونکہ یہ چیز اگر نبیؐ کی خصوصیت نہ ہوتی تو صحابہ کرامؓ جو سنت خیر الانام کے سب سے زیادہ محبّ و مطیع تھے ضرور بیعت کے اس طریقے کو جاری کرتے، لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ تابعین اور تبع تابعین میں سے بھی کسی ایک سے اس طرح کی بیعت لینا ثابت نہیں ہے۔ پیری مریدی کی بیعت تو بہت بعد صوفیاء کی پیداوار ہے۔ اب اگر کوئی شخص بیعت ارشاد کو نبی ﷺ کی سادہ سی سنت کہہ کر لوگوں سے بیعت لینا شروع کردے تو وہ جھوٹا ہے اور امام مسلمؒ کے قول: "اگر چہ صوفیا حضرات جھوٹ بولنے کا قصد نہ بھی کریں تب بھی جھوٹ ان کی زبانوں پر بے ساختہ جاری ہو جاتا ہے۔" [مقدمہ صحیح مسلم،ص۱۴]

●......●......●